تفسیر
سورۃ الھمزہ

از

مولانا عبد الرحمٰن
ابو عبید کائناتی

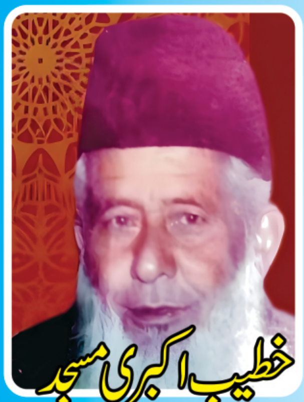

صدر کائناتی فورم:

محمد اشرف انصاری

صاحبزادہ طارق محمود کائناتی

میڈیا پریس سیکرٹری کائناتی فورم

پیشکش:

وائس چیئرمین کائناتی فورم

حافظ محمد الیاس انصاری

غلام محمد آباد کالونی فیصل آباد

0308-6083130

علامہ کائناتی کے خطبات جمعہ سننے کیلئے یوٹیوب پر سرچ کریں

حضرت علامہ عبدالرحمٰن کائناتی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

مولانا کائناتی غلام محمد آباد میں 20 سال جمعہ کا خطبہ دیتے رہے

قرآن کو بحیثیت نظام قوم کے سامنے پیش کرتے رہے بانی مہتمم مدرسہ اشرف المدارس

فیصل آباد میں بھی رہے، سن 1955 میں انہوں نے محسوس کیا کہ مال و دولت کی حوس علماء اور طلباء پر غالب آ چکی ہے

بالآخر انہوں نے مدرسہ چلانا چھوڑ دیا اس المیہ کا تعلق علماء طلباء کی ذہنی پستی سے ہے۔

اس کی تفصیل مولانا کی کتاب مفکر کائنات میں ہے،

مولانا کائناتی زرعی یونیورسٹی میں شعبہ اسلامیات کے صدر بھی رہے۔

مولانا کائناتی جب خطبہ دیتے تو ہر صورت میں اللہ تعالیٰ نے جو اصول دیا ہے۔

مولانا کائناتی اس اصول کو تفصیل سے بیان کرتے۔

قرآن پاک کی 114 سورتیں ہیں ہر سورت میں کوئی نہ کوئی اصول بیان کیا گیا ہے۔

علامہ کائناتی کے خطبات جمعہ سننے کیلئے یوٹیوب پر سرچ کریں

پیشکش: حافظ محمد الیاس انصاری

وائس چیئرمین کائناتی فورم

0308-6083130

نقش اول:

نمونہ تفسیر سورۃ الھمزہ

دنیا میں جتنے بھی انقلاب آئیں ہیں اس کے پیچھے کوئی روحانی شخصیت ہوتی ہے انبیاء، رسول، علمائے ربانی، مفکر و مفسر، ان کی علمی، روحانی زندگی سے متاثر ہو کر انسانیت عملی طور پر انقلابی جدوجہد شروع کر دیتی ہے۔
معاشی، سیاسی، روحانی، طاقت سے انقلاب برپا کرتی ہے۔ اگر ایسے افراد معاشی، سیاسی، روحانی، طاقت نہ بنے۔
وہ مفکر فکری طور پر انقلابی تحریک پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ ارتقائی تحریک بن جاتی ہے۔ ارتقائی تحریک میں واعظ و نصیحت کی جاتی ہیں۔
معاشی، سیاسی، روحانی، قوت کے ساتھ نہیں ہوتی۔ وہ ناکام ہو جاتی ہے۔ لہذا انقلابی تحریک کیلئے جماعت سازی ضروری ہے۔
نصب العین جماعت سازی، لائحہ عمل، نصب العین سے مراد ظلم کے نظام کا خاتمہ۔ جماعت سے مراد ہم فکر لوگ،
لائحہ عمل سے مراد اپنے مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ کار۔

پیشکش: حافظ محمد الیاس انصاری
وائس چیئرمین کائناتی فورم
0308-6083130

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

عرصہ پندرہ سال سے مولانا ابوعبید کائناتی عبدالرحمٰن صاحب ہماری اکبری مسجد میں خطبہ جمعہ اس طرح دے رہے ہیں کہ قرآن کریم کو بحیثیت نظام کے پیش کرتے ہیں۔ اور یہ خطبہ درس قرآن ہوتا ہے چونکہ مولانا موصوف شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم اور مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اور بیس سال تک مدرسہ اشرف المدارس کے بانی و مدرس اعلیٰ رہے ہیں۔ اور قرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ تو اس لئے ہم نے اس درس قرآن سے متاثر ہو کر تفسیر قرآن کی ترتیب دینے کی خواہش ظاہر کی تو مولانا موصوف نے تفسیر قرآن کا یہ نمونہ تحریر کیا اور انتظامیہ نے اس کو اس غرض سے شائع کیا ہے کہ تفسیر قرآن کی ترتیب، طباعت اور اشاعت کیلئے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے۔

تو اس نمونہ کو دیکھ کر مخلص مخیّر حضرات اس کارِ خیر کی طرف متوجہ ہوں۔

اور تعاون کریں تاکہ نوجوان نسل تک یہ عملی سرمایہ پہنچ سکے۔

تیار کردہ: انتظامیہ اکبری مسجد غلام محمد آباد فیصل آباد

نمونہ تفسیر القرآن

تعارف کتاب!

نام کتاب: ____________ تفسیر سورۃ الھمزہ

مصنّف: ____________ مولانا عبدالرحمٰن کائناتی

اشاعت: ____________ ربانی گرافکس

کمپوزنگ: ____________ حافظ عبدالحفیظ ربانی

قیمت: ____________

فہرست

1- ایک تاریخی المیہ 01
2- کیا ہمیں 114 سورتوں میں 114 اصُولوں کا علم حاصل ہے؟ 02
3- کیا قرآن کے کسی ایک اصول کا بھی ہمیں علم ہے جس کے مقابلے کا چیلنج ساری دنیا کو خدا نے دیا ہے 02
4- قرآن کی ہر سورت میں بے ربط مسائل ہمیں کیوں نظر آرہے ہیں؟ 03
5- قرآنی مسائل میں ہمیں تکرار کیوں نظر آتا ہے؟ 03
6- قرآن کی کسی بھی سورۃ کے نام کی اس کے مضمون سے مناسبت ہمیں کیوں نظر نہیں آتی؟ 04
7- کیا حروف مقطعات بے معنی الفاظ ہیں؟ 04
8- قرآن کے معاشی اصول کیا ہیں اور کن کن سورتوں میں ہیں؟ 04
9- قرآن کے سیاسی اصول کیا ہیں اور ،کن ،کن سورتوں میں ہیں؟ 05
10- قرآن کے معاشرتی اصول کیا ہیں؟ اور ،کن ،کن سورتوں میں ہیں؟ 05
11- جو قرآن پہاڑوں کو چُور چُور کرنے والا ہے وہ ہمارے قلوب کو مسخر کیوں نہیں کر رہا؟ 06
12- تلاوت قرآن کی فضیلت 06
13- تلاوت قرآن کی حقیقت سے ہماری محرومی اور اس کا انجام 08
14- خلاصہ: 09
15- تبصرہ سورۃ الھمز ہ 10
15- تبصرہ سورۃ الھمز ہ 11
15- تبصرہ سورۃ الھمز ہ 12
15- تبصرہ سورۃ الھمز ہ 13
16- ترجمہ 14
16- ترجمہ 15
17- تحقیقاتِ لفظیہ 16
18- لفظی ترجمہ 17
19- خلاصہ سورت الھمز ہ 18
19- خلاصہ سورت الھمز ہ 19
19- خلاصہ سورت الھمز ہ 20
20- تکملہ الھمز ہ 21
20- تکملہ الھمز ہ 22

ایک تاریخی المیہ

یزید نے جب جاگیرداری نظام کو مستحکم کرنے کیلئے انسان کی شخصی ملکیت کا نظریہ پیش کیا اور اس کا ردِ عمل صحابہ کرامؓ کی طرف سے بہت سخت ہوا تو اس نظریہ کو مسلمانوں میں رائج کرنے کیلئے حجاج بن یوسف نے ۷۳ھ میں جب عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تو اس کے بعد اس نے دو اہم کارنامے انجام دیئے جن کے ذریعے امت قرآنی نظام سے بے علم کر دی گئی۔ ایک کارنامہ یہ کیا کہ تعلیمی نصاب سے قرآن کا ترجمہ اور مطلب کو سمجھانے کو نصاب سے ختم کر دیا اور بغیر مطلب سمجھے قرآنی الفاظ کی رٹ لگانے کو آسان کرنے کیلئے اس نے تین کام کئے

☆ ایک ہم شکل حرفوں کیلئے نقطے لگائے جو اس سے پہلے نہ تھے

☆ دوسرا یہ کہ قرآن کریم پر اعراب لگائے یعنی زبر۔ زیر۔ پیش۔ شدّ اور جزم کو لکھنے کا رواج دیا جو اصل عربی میں اب نہیں ہے

☆ تیسرا کام یہ کیا کہ رموزِ اوقاف قرآن میں لکھوائیں جو اس سے پہلے نہ تھیں

اس طرح یہ تینوں کام تو برے نہ تھے مگر ان کا مقصد برا نہ کیوں کہ مقصد یہ تھا کہ عام لوگ قرآن کو بغیر مطلب سمجھے پڑھتے رہے۔ حالانکہ اس طرح قرآن پڑھنے کے جواز کی کوئی دلیل قرآن اور حدیث میں نہیں ہے۔ مگر یہ طریقہ ایسا کامیاب ہوا کہ عام مسلمان تو دور کی بات خود علماء بھی اس قرآن کے علم سے محروم ہو گئے صرف ایک مخصوص طبقہ علماء ربّانی کا اپنے طور پر قرآن کا مطالعہ کر کے اس کو سمجھتا رہا اور لوگوں کو بھی بتا تا رہا دوسرا اہم کارنامہ جاگیرداری نظریہ کو مضبوط کرنے کیلئے اسی حجاج ابنِ یوسف نے اس طریقہ کو انجام دیا کہ دورِ نبوت اور دورِ خلافت راشدہ کا سرکاری ریکارڈ پوری مملکت سے ضبط کر کے کوفہ کے محل میں جمع کیا اور مطلب یہ بتایا کہ یہ معتبر تحریریں ضائع نہ ہو جائیں اور پھر خود ہی ایک رات اس محل کو آگ لگا کر ان سب تحریروں کو جلا دیا اور مشہور یہ کیا کہ خارجیوں نے محل پر حملہ کر کے آگ لگائی ہے یہ ریکارڈ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کے نظام جہاں بانی کی دستاویزیں تھیں۔ جن کو علماء پڑھ پڑھ کر عوام کو بتایا کرتے تھے۔ اس طرح عوام اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے خلفاء کی سنت جہانبانی سے واقفیت حاصل کر لیتے تھے۔ اور پھر اس واقفیت کے بناء پر حکومت کے اس جاگیردارانہ نظام پر تنقیدیں کیا کرتے تھے۔ چناچہ حجاج ابنِ یوسف نے اسلام کے اس اصل ریکارڈ کو ہی جلا کر ختم کر دیا اس کے بعد صرف علماء کے سینوں میں اسلامی نظام حکومت کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کارنامے اور خلفاء راشدین کے کارنامے نمایاں محفوظ رہ سکے۔ جن کو حدیثوں میں قلم بند کر دیا گیا مگر یہ ریکارڈ جو حدیثوں میں قلم بند ہوا اور منتشر صورت میں امت تک پہنچتا رہا۔

علامہ موسیٰ جارُاللہ سمرقندی نے اپنی کتاب تاریخ قرآن میں حجاج ابنِ یوسف کے اس پہلے کارنامے کو ذکر کیا ہے اور اس تاریخ قرآن کو یہ نسخہ عربی زبان میں مطبوعہ استنبول لاہور کی پبلک لائبریری میں محفوظ ہے اور دوسرا کارنامہ قاضی ابو یوسفؒ نے اپنی کتاب الخراج میں ذکر کیا ہے۔ ویسے تاریخ ابن کثیر اور ابنِ اثیر میں بھی حجاج کے یہ دونوں کارنامے مذکور ہیں۔ اس تاریخی واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج عوام تو در کنار خود علماء بھی قرآن کو بحیثیت نظام کو نہیں سمجھتے، آپ ذرا ذیل میں دیئے گئے سوالات پر غور کریں تو آپ بھی اس نتیجے پر پہنچیں گے۔

کیا ہمیں 114 سورتوں میں 114 اصُولوں کا علم حاصل ہے؟

یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید خدا کی کتاب ہے اور ہر کتاب میں مختلف مضامین کے ابواب ہوا کرتے ہیں چنانچہ قرآن کریم کے بھی 114 باب ہیں اور ہر باب کو سورۃ کہا جاتا ہے۔تو جس طرح ہر کتاب کے ہر باب میں ایک علیحدہ مضمون ہوا کرتا ہے۔مثلاً اگر کوئی رسالہ شریعت نامی کتاب تصنیف کرے اور اس کا ایک باب پاکی ہو، دوسرا باب نماز ہو، تیسرا باب روزہ ہو، ایسی طرح قرآن کریم میں جب 114 باب ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے قرآن کے ہر باب میں بالفاظ دیگر قرآن کی ہر سورت میں ایک علیحدہ مضمون کا ہونا لازمی ہے اور آپ اس مضمون کو ایک اصُول سمجھ لیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کے اندر ایک سو چودہ اصُول مذکور ہیں اور ہر اصُول کا تعلق ہماری زندگی کے کسی نہ کسی شعبہ سے ہے یا معاشرت سے یا سیاست سے یا معاش سے یا انقلاب سے، بہرحال قرآن کریم کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں جو خدا کے پیغمبر ﷺ نے خدا کے حکم سے علیحدہ علیحدہ ناموں سے لکھوائیں بھی اور یاد بھی کروائیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم میں انسانی زندگی کے متعلق ایک سو چودہ اصُول مذکور ہیں مگر آج ہمارے سب علماء ان اصُول سے بالکل بے خبر ہیں۔کسی کو یہ علم نہیں کہ وہ اصُول کیا ہیں جن کی ہم نے پابندی کرنی ہے

کیا قرآن کے کسی ایک اصُول کا بھی ہمیں علم ہے جس کے مقابلے کا چیلنج ساری دنیا کو خدا نے دیا ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کے ثبوت کیلئے یہ دلیل پیش کی فرمائی ہے کہ اگر یہ انسانی کتاب ہے تو تم لوگ بھی انسان ہو تو پھر تم سب دنیا کے علماء مل کر قرآن جیسا ایک اصُول پیش کر کے دکھاؤ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳)

تو اس مقابلے کا چیلنج صرف قرآن جیسی فصیح و بلیغ عبارت پیش کرنے کے متعلق نہیں۔اس لئے کہ اس طرح تو یہ دلیل صرف عربوں کیلئے بن سکتی ہے۔ساری دنیا کے علماء کیلئے نہیں جو عربی جانتے ہی نہیں بلکہ اس مقابلے کا چیلنج اصُولِ زندگی کے متعلق ہے گو یا قرآن کی عبارت بھی فصاحت و بلاغت میں اپنی نظیر نہیں رکھتی مگر بطور دلیل یہ چیلنج صرف عبارت پیش کرنے کیلئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے علماء و عقلاء کو قرآن جیسا ایک اصُول پیش کرنے کا چیلنج ہے۔اور اس کے ساتھ ہی خدا نے یہ بھی دعوٰی کیا ہے کہ تم تا قیامت قرآن جیسا ایک اصُول بھی پیش نہیں کر سکتے تو کیا آج ہم علماء میں سے کوئی ایک عالم بھی ایسا ہے جو قرآن کے کسی ایک اصُول کو دنیا کے عقل مندوں کے سامنے پیش کر کے یہ چیلنج کر سکے کہ قرآن کے اس اصُول جیسا ایک اصُول تم سب دنیا کے علماء مل کر پیش کر کے دکھاؤ۔مگر افسوس کہ آج ایک عالم بھی ایسا نہیں جو قرآن کے کسی ایک اصُول ہی کو سمجھ کر دنیا کو چیلنج کر سکے بلکہ علماء تو آج اپنی قوم کو بھی قرآن کا کوئی ایک اصُول پیش کرنے سے قاصر ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج ہم علماء قرآنی اصُول سے بالکل بے خبر اور بے علم ہو چکے ہیں مگر ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن ن زندگی کا مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ کتنے افسوس کی بات ہے!

قرآن کی ہر سورت میں بے ربط مسائل ہمیں کیوں نظر آرہے ہیں؟

پڑھے لکھے لوگ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ کوئی بھی کتاب ہو اس کے ہر باب میں ایک مربوط مضمون ہوا کرتے ہیں اور اگر کسی مصنّف کی کتاب میں سے کسی بھی باب میں بے ربط مسائل نظر آئیں تو ہر پڑھنے والا اس مصنّف پر اعتراض کرے گا مگر افسوس ہم اس قرآن کی تفسیریں بھی لکھ رہے ہیں اور درس بھی دے رہے ہیں اور تقریروں میں بھی قرآن پیش کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کسی بھی تفسیر کو اُٹھا کر دیکھ لیں آ کو اس میں یہی نظر آئے گا کہ ہر سورت میں بے ربط مسائل کا انبار ہے آپ کسی طویل سورت تو کیا صرف سورت فاتحہ کو لے لیں اور پھر تفسیریں اٹھا کر پڑھیں تو آپ کو یہی معلوم ہوگا کہ سورت فاتحہ میں یوم الدین تک خدا کی صفات کو ذکر ہوا ہے اور پھر نستعین تک مسلمانوں ک ایک عہد ذکر ہے اور پھر اِھدِ نا سے آخر تک ایک دعا کا ذکر ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تین باتوں کے ملنے سے وہ کون سا اصُول ثابت ہوا جس کو علیحدہ باب میں ذکر کیا گیا اور اس باب کا نام سورۃ فاتحہ رکھا گیا۔تو آپ کو ہر تفسیر کے مطالعہ کے بعد اس مختصر سورۃ میں بھی تین بے ربط مسائل کا ذکر ملے گا۔

☆ آخر ایسا کیوں ہے؟

خدا کی کتاب ہو اور پھر اس میں بے ربطی ہو یہ ناممکن ہے مگر ہم سورۃ فاتحہ کے اس اصُول کو نہیں جانتے جس کو فاتحہ کے نام سے پیش کیا گیا ہے یہی حال ہے سب سورتوں کی تفسیروں کا،اس سے ثابت ہوا کہ آج ہم علماء بھی اس قرآن کو اصُولوں کی کتاب سمجھنے سے قاصر ہیں۔

قرآنی مسائل میں ہمیں تکرار کیوں نظر آتا ہے؟

آپ قرآن کریم کی تفسیریں اُٹھا کر پڑھتے جائیں تو آپ کو قرآن کے اکثر مسائل میں تکرار نظر آئے گا۔حالانکہ ایک ہی بات کو بار بار ذکر کرنا اگر مصنّف کی کتاب میں دیکھیں تو اس پر اعتراض کرتے ہیں

کہ ایک ہی بات کو بار بار کیوں دہرایا گیا ہے مگر افسوس ہے کہ قرآنی مسائل میں ہم جس بھی تفسیر کو پڑھیں ہمیں اس میں یہی تکرار نظر آتا ہے۔مثلاً صلوۃ وزکوۃ کا ذکر کئی سو بار ہو چکا ہے ایسے ہی ایمان اور عمل صالح کا ذکر بھی بیسیوں دفعہ کیا گیا ہے یہی نہیں بلکہ واقعات میں بھی مکرّر ذکر ہیں۔مثلاً صرف نوحؑ کا واقعہ 13 دفعہ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے ایسے ہی بنی اسرائیل اور موسیٰؑ کا ذکر بھی متعدد دفعہ کیا گیا ہے

تو کیا (نعوذ باﷲ) خدا کی کتاب ہو اور پھر اس میں مسائل کا اور واقعات کا تکرار ہو،اگر فی الواقع ایسا ہی ہوتا جیسے ہمارے مفسر ہمیں بتاتے ہیں۔

جب خدا نے قرآن جیسا ایک اصُول پیش کرنے کا چیلنج کیا تھا تو دشمنوں کی طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہو جاتی کہ ایسی ناقص کتاب ہے (نعوذ باﷲ من ذالک) جس میں ایک بات کو بار بار ذکر کیا گیا ہے

اس کا مقابلہ کرنا کونسی مشکل بات ہے مگر تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کسی ایک دشمن عالم نے بھی قرآن کے اس تکرار پر اعتراض نہیں کیا (سبحان اﷲ) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں کوئی تکرار نہیں یہ ہماری بے علمی ہے کہ ہم اسے تکرار سمجھتے ہیں اور متعدد تفسیریں لکھنے کے باوجود ہم اس تکرار کو ختم نہیں کر سکے اور نہ ہی کر سکتے ہیں کیونکہ ہم نے قرآن کو زندگی کے اصولوں کی کتاب سمجھا ہی نہیں اور یہ ہماری کم علمی کی انتہا ہے۔

قرآن کی کسی بھی سورۃ کے نام کی اس کے مضمون سے مناسبت ہمیں کیوں نظر نہیں آتی ؟

اس معاملے میں ہماری عام تفسیریں خاموشی سے گزر جاتی ہیں اور کوئی مفسّر بھی سورۃ کے نام کی اس کے مضمون سے مناسبت پیش نہیں کر سکا۔حالانکہ سب علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سورتوں کے یہ نام خدا کے حکم سے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھے ہیں ۔مگر اس کے باوجود ہم ناموں کی مناسبت مضمونِ سورۃ سے نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی سمجھاتے ہیں ۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ ایک مصنّف رسالہ شریعت نامی کتاب تحریر کرے اور پہلے باب کا نام پہاڑ رکھ دے ،دوسرے کا ڈنڈا،تیسرے کا نام نمک،اور چوتھے کا نام اُسترہ اور پانچویں کا نام رات رکھ دے اور جب مناسبت پوچھی جائے تو وہ جواب دے کہ پہلے باب میں توحید کا بیان ہے جس میں لفظ پہاڑ آ گیا تھا اور دوسرے باب میں نماز کا بیان ہے جس میں نمازی کو اپنے سامنے ایک ڈنڈا بطور استرہ رکھنے کا ذکر تھا اور تیسرے باب میں روزے کا بیان ہے جس میں نمک سے روزہ افطار کرنے کا ذکر تھا۔اور چوتھے میں حج کا ذکر تھا جس کے اندر اُسترہ سے حجامت کروانے کا ذکر تھا اور پانچویں باب میں زکوۃ کا ذکر تھا جس میں مذکور تھا کہ زکوۃ دن میں دو یا رات میں ۔تو میں ان لفظوں کو لے کر بابوں کے نام بنا دیئے تو ایسے مصنّف کو ہر عقل مند آدمی بے وقوف کہے گا

مگر افسوس ! کہ آج ہم قرآن کے ساتھ یہی معاملہ کر رہے ہیں کہ صرف دو آیتوں میں مائدہ کا ذکر ہے تو سورۃ کا نام مائدہ رکھ دیا۔ایسے ہی ایک آیت میں شہد کی مکھی کا ذکر ہے تو اس سورۃ کا نام نَحل رکھ دیا (اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی طرح کی مناسبت بیان کی ہوتی تو پھر دشمن آسمان سر پر اُٹھا لیتے کہ اس کتاب میں کسی باب کا نام ہی درست نہیں)

کیا حروف مقطعات بے معنی الفاظ ہیں؟

ہماری عام تفسیریں یہی بیان کرتی ہیں کہ شروع میں جو علیحدہ علیحدہ حروف ذکر ہیں جن کو حدیثوں میں حروف مقطعات کہا گیا ہے۔جیسے الٓمّٓ کہ ان حروف کے معنی سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں اگر ایسا ہوتا تو پھر خدا نے دنیا کے علماء کو یہ چیلنج کیا تھا کہ قرآن جیسا ایک اصول بنا کر دکھاؤ تو پھر دشمنوں نے قرآن پر اعتراض کیا تھا کہ (نعوذ باللہ) یہ ایسی ناقص کتاب ہے جس بے معنی الفاظ موجود ہیں اور اگر دشمنوں بے اعتراض نہ بھی کیا ہوتا تو صحابہ کرامؓ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھتے کہ ان حروف کا کیا مطلب ہے مگر حدیثوں اور تاریخوں میں کہیں بھی اس قسم کا اعتراض ہمیں نہیں ملتا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حروف کے معنے اس قدر واضح تھے کہ ہر عربی جاننے والا ان کے معنوں کو سمجھ رہا تھا یہ درحقیقت بعض سورتوں کو مضمونوں کے مخفف نام ہیں اور دنیا کی ہر ترقی یافتہ زبان میں مخفف اسموں کا ذکر ہمیشہ رہا ہے اور آج بھی انگریزی زبان میں یہ مخفف اسم ہیں جیسے ڈی سی مخفف ہے ڈپٹی کمشنر کا گویا لفظ کا پہلا حرف بطور نام کے استعمال ہوتا ہے ایسے ہی سورتوں میں جو اصول ذکر ہیں یہ حروف ان اصول کے ناموں کے پہلے حرفوں کا مجموعہ ہے مگر ہم چونکہ کسی سورت کے اصول ہی کو نہیں سمجھتے تو پھر اس کے اس مخفف نام کو کیسے سمجھیں گے یہ ہے قرآن سے ہماری بے علمی کا ثبوت ہے کہ آج ہم نہ قرآن کو اصولوں کی کتاب سمجھتے ہیں اور نہ ہی کسی اصول کو سمجھتے ہیں تو پھر اس اصول کا نام خواہ پورے لفظ میں ہو یا مخفف ہو اس کو کیسے سمجھیں گے۔

قرآن کے معاشی اصول کیا ہیں اور کن کن سورتوں میں ہیں؟

جب قرآن زندگی کا مکمل نظام پیش کر رہا ہے تو زندگی میں بنیادی مسئلہ معاشیات کا ہے اور آج ساری دنیا معاشی نقطہ نظر سے دو گروہوں میں بٹی ہوئی

ہے اور ہر گروہ کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمارا معاشی نظام نوعِ انسان کیلئے بہتر ہے۔تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کریم نے معاشیات کے اصول پیش کئے ہیں یا نہیں اور اگر پیش کئے ہیں اور یقینا پیش کئے ہیں تو پھر کیا علماء یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ معاشی اصول کیا ہیں؟

اور کن کن سورتوں میں مزکور ہیں حالانکہ قرآن کریم عربوں کے عوامی محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے اور عوامی محاوروں میں مال کو مختلف ناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔جیسے ہماری زبان میں جب کوئی شخص یہ کہے کوٹھی بنانا پیسے والوں کا کام ہے تو اس کی مراد پیسہ سے وہ خاص سکّہ نہیں ہوتا بلکہ متعلق مال مراد ہوتا ہے ایسے ہی جب ہم یہ کہتے ہیں کہ روٹی کا مسئلہ بڑا اہم ہے تو روٹی سے مراد ہماری متعلق مال ہوتا ہے۔ایسے ہی عربی محاورہ میں زراعت پیشہ لوگ گائے بیل بول کر مراد مال لیا کرتے تھے تو قرآن کریم نے ان عوامی محاورات کے مطابق کسی سورۃ کا بقرہ سے موسوم کر کے مراد مال لیا ہے اس لئے بقرہ کا معنی گائے بیل ہے اور کہیں سورۃ الانعام کہہ کر مراد مال لیا ہے اس لئے کہ انعام کے معنی مویشی ہیں اور کہیں سورۃ زخرف کہہ کر مراد مال لیا ہے۔اس لئے کہ زخرف نقدی کے ڈھیروں کو کہتے ہیں ،مگر ہماری تفسیریں آج معاشی اصولوں کے ان ناموں کے باوجود معاشی اصول پیش کرنے سے قاصر ہی ، یہ ہماری قرآن سے بے علمی اور بے رغبتی ہے

قرآن کے سیاسی اصول کیا ہیں اور کن کن سورتوں میں ہیں؟

جب قرآن پوری زندگی کا نظام پیش کر رہا ہے تو لازمی طور پر قرآن کریم نے سیاسی اصول بھی پیش کئے ہیں مگر عربوں کے محاورات کے مطابق جیسے ہم اپنے محاورہ میں کہتے ہیں کہ عدل جہانگیری بڑا مشہور تھا تو اس سے مراد ہماری جہانگیر بادشاہ کے سیاسی نظام عدل ہوتا ہے ایسے ہی قران کریم نے بعض ایسے پیغمبروں کے ناموں سے سورتوں کو موسوم کیا ہے۔جنہوں نے بہترین سیاسی نظام عدل نافذ فرمایا تھا۔

جیسے سورۃ یوسف میں حضرت یوسف کے اس سیاسی نظام عدل کا بیان ہے جس کی مثال نہیں ملتی ایسے ہی بعض قومیں جن کو حکومت ملی مگر وہ قومیں سیاسی طور پر مظالم کرتی رہی ہیں تو قرآن کریم نے بعض سورتوں کو ان قوموں کے نام سے موسوم کر کے ان کے ظالمانہ نظام سے مسلمانوں کو آگاہ کیا ہے جیسے سورۃ بنی اسرائیل میں اسرائیلی حکومت کے مظالم کا ذکر کر کے ہمیں ظلم سے بچنے کی تلقین کی ہے بلکہ سورۃ سَبَا نام سے ایک سورۃ پیش کر کے قومِ سَبا کی اس ظالمانہ پالیسی سے بچنے کی ہمیں تلقین کی گئی ہے۔

جس ظالمانہ پالیسی کی وجہ سے وہ قوم تباہ ہوئی مگر ہماری تفسیریں چونکہ قرآن کریم کے نظام حیات کی حیثیت سے پیش ہی نہیں کر رہی تو پھر ان تفسیروں میں ہمیں قرآن کریم کے سیاسی اصولوں کا علم کیسے ہو بلکہ بعض اوقات ہمیں ہمیں اپنی تفسیروں پر حیرت ہوتی ہے کہ سورت کا نام میں ہی کسی خاص ظلم کا ذکر موجود ہے مگر ہماری تفسیریں اس ظلم کو سمجھانے سے قاصر ہیں مثلاً ایک اَلْمُطَفِّفِيْن کے نام سے قرآن میں موجود ہے اور اَلْمُطَفِّفِيْن کا معنیٰ ہی گراں فروشوں کی جماعت ہے مگر مجال ہے کہ ہماری تفسیریں گراں فروشی کے اس اصول کو پیش کرتے ہیں

قرآن کے معاشرتی اصول کیا ہیں؟اور کن کن سورتوں میں ہیں؟

قرآن کریم کا بنیادی مقصد ہی ایسا معاشرہ تیار کرنا ہے جو ساری دنیا سے ظلم کو مٹائے اور اس معاشرہ کا امتیازی نشان بتایا گیا ہے کہ یہ معاشرہ جنگ کر کے دنیا سے ظلم کو مٹانے والا معاشرہ ہے اسی لئے قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام سورۃ اَلْبَرَ اث سے ہے اور برات کے کے معنیٰ ایسا امتیاز ہے جو کسی

چیز کو دوسری چیزوں سے علیحدہ کر کے مُمیِّز کر دے اور کسی سے علیحدگی بطور بیزاری کو بھی برات اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں بے زاری کرنے والا دوسرے سے علیحدہ مُمَیِّز ہوا کرتا ہے تو اس سورت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلم معاشرہ کا امتیازی نشان جہاد کر کے دنیا سے ظلم وستم کو ختم کرتا ہے مگر ہماری تفسیریں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ مسلم معاشرہ کے اصول تنظیم اور اصول تعلیم وغیرہ کیا ہیں؟ اور کن کن سورتوں میں بیان ہیں؟ حالانکہ امت مسلمہ کو اسی لئے کہا جاتا تھا کہ اپنی جان و مال خدا کے سپرد کر کے دنیا میں سلامتی پیدا کرنے والی ہے اس لئے کہ اسلام کا معنی ہے سپردگی کا نظام سلامتی اور اس نظام کی حامل امت مسلمین کے نام سے موسوم ہے مگر آج ہم نہ اپنے معاشرے کی تنظیم کے اصول جانتے ہیں اور نہ تعلیم کے اصول اور نہ ہی اس امت کے اس نصب العین کو سمجھ رہے ہیں۔ جو نصب العین قرآن کریم نے اس امت کا قرار دیا ہے یہ قرآن سے ہماری بے علمی کی انتہا۔

جو قرآن پہاڑوں کو چُور چُور کرنے والا ہے وہ ہمارے قلوب کو مسخر کیوں نہیں کر رہا؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعلق صاف الفاظ میں فرمایا ہے اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ پہاڑ ٹکرے ٹکرے ہو جاتا خدا کے ڈر سے۔ سورۃ الحشر آیت ۲۱ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس قرآن کی اثر آفرینی کا یہ حال ہو کہ وہ پہاڑوں کو بھی اسی جگہ سے ہلا دے اور ان کو چُور چُور کر دے وہی قرآن آج ہم لاکھوں کی تعداد میں تلاوت بھی کر رہے ہیں اور ماہ رمضان میں ہزاروں کی تعداد میں یہ قرآن مسلمان سنتے رہتے ہیں اور مساجد میں اس کے درس بھی دیتے رہتے ہیں بلکہ اب تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی قرآن کے درس دیئے جا رہے ہیں مگر یہ سب بے سود ہیں قوم جرائم میں اور پستی میں گرتی جا رہی ہے اور وہ قومیں جو قرآن کو نہیں مانتی وہ ترقی کی منزلیں طے کر رہی ہیں اور ہم ان قوموں کے محتاج و دست نگر ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی وہ اثر آفرینی ہماری قوم پر کیوں اپنا اثر نہیں دکھاتی اس اہم سوال کا جواب اوراق گزشتہ میں ہم دے چکے ہیں کہ جب ہم قرآن کو سمجھ ہی نہیں رہے تو پھر اس کا اثر کیسے ہو؟ اگر آپ قرآن کو بحیثیت نظام زندگی سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمارے ادارے سے تعاون کریں۔

تلاوت قرآن کی فضیلت

عمران بن حصینؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا!

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ۔ (بخاری جلد اول ۵۱۵ کتاب المناقب صحیح مسلم جلد دوم ۳۰۹ کتاب الفضائل)

یعنی سب قرنوں میں سے بہتر قرن میرا ہے اور پھر اُن لوگوں کا جو میرے قرن والوں سے ملیں گے اور اس کے بعد اُن لوگوں کا جو اُن سے ملیں گے قرن کا معنی سنگت ہے تو حضور نبی کریم ﷺ کی سنگت والے صحابہ کرام اجمعینؓ ہیں اور اُن کی سنگت والے تابعین ہیں اور پھر ان کی سنگت والے تبع تابعینؒ ہیں اور اس سنگت سے مراد تعلیم حاصل کرنا ہے یعنی سب سے پہلے درجہ پیغمبر ﷺ سے تعلیم حاصل کرنے والوں کا ہے اور دوسرا درجہ صحابہ کرامؓ سے تعلیم حاصل کرنے والوں کا ہے اور تیسرا درجہ تابعینؒ سے تعلیم حاصل کرنے والوں کا ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ تابعین میں سے تھے اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ تبع تابعین میں سے تھے اور ان لوگوں کی وجہ دوسری حدیث میں ہے جو حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا!

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (بخاری جلد دوم ۷۵۲ کتاب فضائل القرآن) تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور

دوسروں کوقرآن کی تعلیم دے ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے حضرت ابو ہریرہؓ اورحضرت ابوسعید خُدریؓ دونوں ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں

مَا اجْتَمَعَ قَوْمُ فِي بَيْتٍ مِنْ بِيُوتِ اللهِ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللهِ وَ يَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهُمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِي مَنْ عِنْدَهُ (صحیح مسلم جلد ثانی ۳۴۵ کتاب الذکر)

ترجمہ: یعنی نہیں جمع ہوتی کوئی قوم کسی گھر میں اللہ کے گھروں میں ہے، جو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اورایک دوسرے کو درس دیتے ہیں مگر نازل ہوتی ہے ان پر خدا کی طرف سے اطمینان قلب کی حالت اور ڈھانپ لیتی ہے ان کو اللہ کی رحمت اور گھیر لیتے ہیں ان کو اللہ کے فرشتے اور اللہ ان لوگوں کا تذکرہ کرتا ہے ان فرشتوں میں جو ان کے پاس ہیں

مطلب یہ ہوا کہ قرآن کی تلاوت اور پڑھنے پڑھانے پر خدا کی رحمتیں بھی نازل ہوتی ہے اور سکون قلب بھی اور خدا ان لوگوں پر فخر کرتے ہوئے اپنے مقرب فرشتوں میں ان کا تذکرہ کرتا ہے۔ یہ ہے فضیلت قرآن کی تلاوت کی۔مگر یہ سمجھ لینا کہ تلاوت یا قرات یا تعلیم وتعلّم یا درس وتدریس ان سب لفظوں کا معنیٰ پڑھنا پڑھانا ہے اور پڑھنے پڑھانے سے مراد ہمیشہ کسی کلام کا معنیٰ اور مطلب سمجھنا اور سمجھانا ہوتا ہے

یہ بات ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔اور کسیکلام کے صرف الفاظ کو دہرالینا یا زبان سے ان کی رٹ لگالینا نہ پڑھنا ہے نہ پڑھانا مثلاً اگر کسی شخص کے پاس اس کا بیٹا امریکہ سے انگریزی میں خط لکھے تو وہ شخص کسی انگریزی دان کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ مجھے یہ خط پڑھ کر سناؤ تو وہ نوجوان اگر صرف انگریزی کے الفاظ رٹ کر اس شخص کو سنا دے اور اس کو مطلب کوئی نہ سمجھائے تو وہ شخص یہی کہے گا کہ میں نے تجھے خط پڑھنے کیلئے کہا ہے صرف الفاظ کی رٹ لگانے کیلئے نہیں پڑھنا تو اسی طرح ہوتا ہے کہ تو مجھے اس انگریزی عبارت کا مطلب سمجھائے اروا گر وہ نوجوان اصرار کرے اور کہے کہ یہ الفاظ دہرا دینا ہی خط کا پڑھنا ہے تو ہر شخص اس کو احمق کہے گا۔اسی مثال سے آپ قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا مقصد سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن کا معنیٰ اور مطلب سمجھا جائے اور سمجھایا جائے اگر یہ نہ ہو تو صرف الفاظ رَٹ لینا قرآن کا پڑھنا نہیں ہے مگر افسوس! آج ہمارے حافظ، قاری، عوام اور خود علماء بھی صرف قرآنی الفاظ کے رَٹ لینے کو قرآن کا پڑھنا سمجھتے ہیں اور اسی کو ثواب کا کام قرار دیتے ہیں حالانکہ نہ قرآن میں اور نہ حدیث میں کہیں یہ ذکر ہے کہ قرآنی الفاظ کو بغیر مطلب سمجھے رَٹ لینا ثواب کا کام ہے بغیر دلیل کے ہمارے علماء نے یہ مسئلہ مشہور کر رکھا ہے جو کہ بالکل غلط ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے تعلیم قرآن کی فضیلت میں ایک طویل حدیث روایت ہے جس سے تلاوت کی حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے اور فضیلت بھی، وہ روایت یہ ہے کہ ایک روز حضور اکرم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا صحابہ کرامؓ کے حلقے دو کونوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپؐ ایک حلقہ کے پاس گئے اور پوچھا کہ تم کیا کام کررہے ہو انہوں نے جواب دیا کہ کچھ ورِد اور دعائیں پڑھ رہے ہیں۔تو آپؐ نے فرمایا کہ بہت اچھا کام کررہے ہو۔ پھر دوسرے حلقے کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بھی یہی پوچھا کہ تم کیا کررہے ہو، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم علم دین کے اندر مشغول ہیں اور ایک دوسرے کو علم کی باتیں بتارہے ہیں تو آپ ان کے حلقہ میں بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اَنَا مِنْکُمْ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا یعنی میں تم میں سے ہوں بے شک میں معلّم قرآن بنا کر بھیجا گیا ہوں۔اس سے ثابت ہوا کہ تعلیم قرآن کی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ پیغمبر ﷺ قرآن کی تعلیم حاصل کرنے والوں میں اپنے آپ کو شمار کررہے ہیں کہ میں تمہاری جماعت کا ایک فرد ہوں۔دعا اور ورِد پڑھنے والوں کا آپ نے یہ شرف نہیں بخشا۔اور اس کی تلاوت کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی کہ تلاوت کی حقیقت ہے قرآن کا علم حاصل کرنا، نہ صرف الفاظ کی رَٹ لگانا اور یہی تلاوت

پیغمبرانہ کام ہے۔

تلاوت قرآن کی حقیقت سے ہماری محرومی اور اس کا انجام

ہماری موجودہ حالت کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے سے ہی پیشگوئی فرمادی تھی۔ چنانچہ عبداللہ عمرو العاص سے یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يُقْبَضُ فِيهِ عِلْمُ الْقُرْآنِ وَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْتَزِعُ انْتِزَاعاً مِنَ الْعِبَادِ وَلٰكِنْ يُقْبَضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمٌ اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَافْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا۔

(بخاری جلد اول کتاب العلم ؀۲ اور صحیح مسلم جلد دوم کتاب العلم ؀۳۴)

عبداللہ بن عمرو العاص مذکور سے بھی اور عروہ ابن زبیرؓ سے بھی مسلم نے روایت کی ہے۔اس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب اللہ ان سے علم القرآن اپنے قبضہ میں لے لیں گیا اور یہ قبضہ اس طرح نہ ہوگا کہ اللہ اپنے بندوں کو اپنے پاس اُٹھا لے گا یہ کہ علماء کی روح قبض کر لی جائے گی یہاں تک کہ جب کوئی عالم قرآن باقی نہ رہے گا تو لوگ اپنے پیشوا جاہلوں کو بنا لیں گے پھر ان جاہلوں سے دین کے مسائل پوچھے جائیں گے تو وہ لوگوں کو بغیر علم کے باتیں بتائیں گے اس طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے آج یہ زمانہ آ چکا ہے۔ایک دوسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقتِ قرآن سے بے علم ہونے کی یہی پیش گوئی جب بیان فرمائی تو زیاد بن لبید صحابیؓ نے سوال کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہم آپ سے قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی تعلیم دے رہے ہیں پھر وہ اپنی اولاد کو تعلیم دیں گے یہ سلسلہ اسی طرح تا قیامت چلتا رہے گا تو پھر قرآن کے علم سے امت محروم کیسے ہو سکے گی۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے زیادؓ میں نے تجھے شہر کے سب لوگوں میں سے زیادہ عقل مند سمجھا تھا تو نے یہ بے عقلی کا سوال کیوں کیا۔کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ یہود نصاریٰ تورات میں وانجیل کی عبارتیں پڑھ پڑھا رہے ہیں مگر ان عبارتوں کی حقیقت کوئی نہیں جانتا جو خدا نے بیان فرمائی تھی مطلب یہ کہ صرف الفاظ کی لوگ رَٹ لگاتے ہیں مگر حقیقت قرآن سے اسی طرح بے علم ہو جائیں گے جس طرح یہود ونصاریٰ ہو چکے ہیں

(رواہ احمد ابن ماجہ وترمذی)

اور ایک حدیث میں علم قرآن سے محرومی کو ایک مثال سے بیان کیا گیا ہے۔ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو علم عطا فرمایا ہے اس کی مثال بہت زیادہ بارش کی ہے اور لوگوں کی مثال زمین جیسی ہے جب بارش ہوتی ہے زمین کی تین قسمیں ہوتی ہیں ایک وہ زمین جو قابل کاشت زرخیز ہو، یہ بارش کے پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور پھر اس پانی کے ذریعہ فصل اور باغات پیدا کرتی ہے۔یہی حال ہے ان لوگوں کا جو قرآن کو علم حاصل کر کے خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتے ہیں جیسے وہ زمین فائدہ دیتی ہے۔دوسری قسم اس زمین کی ہے جس کی مٹی چکنی ہو اور وہ پانی کو اندر جذب تو نہیں کر سکتی مگر بارش کا پانی تالابوں کی صورت میں اس میں جمع ہو جاتا ہے اور اس پانی سے حیوان اور انسان فائدہ اٹھاتے ہیں اس زمین کی مثال وہ علماء ہیں جو قرآن کا علم حاصل کرتے ہیں مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے ، البتہ علم قرآن کی تبلیغ وتعلیم کرتے ہیں جس سے دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جیسے اس زمین کے تالابوں سے انسانوں حیوانوں ،کو فائدہ ہوتا ہے، تیسری قسم ایسی زمین کی ہے جو پتھروں اور چٹانوں سے بھری ہوئی ہو اس پر جب بارش ہوتی ہے تو اس کا پانی بہہ کر آگے نکل جاتا ہے

اس زمین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ وہ زمین دوسروں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے اس زمین کی مثال وہ لوگ ہیں جو قرآنی الفاظ کو رٹتے رہتے ہیں نہ ان الفاظ کا علم ان کے دلوں میں جذب ہوتا ہے اور نہ ہی یہ دوسرے لوگوں کو قرآن کا کوئی علم بتا سکتے ہیں جس طرح وہ زمین خود بھی اس پانی کے فیض سے محروم ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ یہی حال ہے ان لوگوں کا جو صرف الفاظ قرآن کو زبان سے دہرا لیتے ہیں مگر ان کا معنیٰ اور مطلب نہیں سمجھتے یہ نہ خود اپنے آپ کو قرآن سے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ دوسروں کو۔

(رواہ بخاری و مسلم مشکوۃ جلد اول)

اس طویل حدیث میں یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف قرآنی الفاظ کو پڑھنے پڑھانے والے خود بھی قرآن کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اور دوسروں کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ یہ مثال ہمارے دور کے حافظوں، قاریوں، علماء اور ان عوام پر صادق آتی ہے جو صرف قرآنی الفاظ کو دہرا کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے تلاوت قرآن کی ہے گو علماء ربانی نے فرمایا ہے کہ قرآن کے صرف الفاظ پڑھ لینا تلاوت تو نہیں اور نہ ہی اس کو قرآن پڑھنا کہہ سکتے ہیں مگر چوں کہ یہ الفاظ کلام الٰہی کے ہیں اس لئے ان کو زبانی رٹ لینے سے ایک قسم کا تبرک ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔

علم قرآن سے محرومی کا نتیجہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمادیا ہے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا!

اس زمانے میں جب دنیا سے علم اُٹھالیا جائے گا تو دنیا ایمان سے محروم ہو جائے گی اس لئے کہ اِنَّ الْاِیْمَانُ لَیَارِزُ اِلَی الْمَدِیْنَۃُ کَمَا تَارِزُ الْحَیَّۃُ اِلٰی حُجْرِھَا۔

(بخاری جلد اول کتاب فضائل المدینہ ۲۵۲ اور مسلم جلد اول کتاب الایمان ۸۴)

یعنی بے شک ایمان بھاگ کر دوڑے گا مدینہ کی طرف جیسے سانپ بھاگ کر دوڑتا ہے اپنے بل کی طرف۔ مطلب یہ کہ جس طرح سانپ انسانوں کو اپنا دشمن سمجھ کر بھاگتا ہے ایسے ہی ایمان بھی مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھ کر اپنے گھر مدینہ کی طرف بھاگے گا اور لوگ بغیر ایمان کے رہ جائیں گے یہی حال ہے آج ہماری قوم کا۔

خلاصہ:

یہ خلاصہ سورۃ کے نام کا ہے چونکہ یہ سورۃ فیصلہ کن دستورِ انقلاب کے اصولوں میں سے تیسرے اُصول کے بیان میں ہے اس لئے پہلے ان سب اصولوں کو سمجھ لینا ضروری ہے چنانچہ سورۃ التکاثر میں انقلاب کی ضرورت پیش کی گئی ہے انقلاب اس لئے ضروری ہے تاکہ لوگوں میں کثرتِ مال کی اجتماعی دوڑ کو ختم کیا جائے پھر سورۃ العصر میں غرضِ انقلاب کا بیان ہے کہ انقلاب کی غرض انسانوں کو دنیاوی اور اُخروی نقصان سے بچانا ہے اور یہ چار قسم کے کرداروں کے ذریعہ ممکن ہے اُس کے بعد سورۃ الھمزہ اور سورۃ فیل میں ان لوگوں کا تعارف کروایا گیا جن کے خلاف انقلاب برپا کرنا ہے اور یہ دو ہی طریقے ہیں، ایک وہ اصحابِ مال جو محنت کشوں کا استحصال کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ اصحابِ اقدار جو ان استحصال غاصبوں کو بچانے والے ہیں۔ پہلی سورۃ میں اصحابِ مال کا تعارف ہے۔ اور دوسری میں اصحاب اقتدار کا۔

پھر سورۃ قریش اور سورۃ مآعون میں انقلابی جماعت کی تطہیر کا بیان ہے چونکہ اسلامی انقلاب مذہبی رنگ لایا جانا تھا اس لئے سورۃ قریش میں دنیا پرست روحانی پیشواؤں سے جماعت کو پاک کرنے کا حکم ہے اور سورۃ ماعون میں علمی پیشواؤں سے جماعت کو پاک رکھنے کا حکم ہے جو مال کے سر چشموں پر قابض ہوں پھر سورۃ کوثر اور سورۃ کافرون میں انقلابی طریقِ کار کا بیان ہے پہلی سورت میں انقلابی جماعت کو بڑھانے کا اصول بیان ہے اور دوسری میں انقلابی جماعت کے تشخص کو قائم رکھنے کیلئے دشمنوں سے قطع تعلق کا اصول بیان ہے اس کے بعد سورۃ نصرؔ اور سورۃ لہبؔ میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تبصرہ سورۃ الھمزۃ

قرآن فہمی کیلئے چند بنیادی باتوں کا جان لینا ضروری ہے چونکہ اس مختصر سورت میں ہم ترجمہ قرآن کا نمونہ پیش کر رہے ہیں اس لئے یہاں صرف ان بنیادی باتوں کو ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق اس سورۃ کے مضمون سے ہے وہ باتیں ترتیب وار درج ذیل ہیں

1-**تحقیق :** قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے ہر پڑھنے والے کو اپنا تصور بدلنا ضروری ہے، اس لئے کہ عام طور پر ہمارے سامنے قرآن کے جو درس اور تفسیریں پیش کی جارہی ہیں ان میں صرف پوجا پرستش کے مذہب کی باتیں ہی پیش کی جاتی ہیں جن کا تعلق انسان کی صرف انفرادی زندگی سے ہے ،مثلاً عقیدہ توحید،عقیدہ رسالت،عقیدہ قیامت، یا نماز، روزہ، حج کے مسائل یا پھر نکاح وطلاق وغیرہ کے مسئلے یعنی انفرادی عقیدے اور انفرادی عبادتیں اور معاشرتی رسمیں پیش کی جاتی ہیں ان کی وجہ سے قرآن کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ تصور قائم کر لیتا ہے کہ قرآن انسان کے مذہبی مسائل سے ہی بحث کرتا ہے باقی رہا نظام حیات جس کا ہم نعرہ لگا رہے ہیں قرآن کو بحیثیت نظام حیات کے نہ پیش کیا جارہا ہے نہ ہی سمجھا جارہا ہے اس لئے سب سے پہلے یہ تصور بدلنا ہوگا کہ قرآن مذہب کی کتاب ہے بلکہ یہ تصور قائم کرنا ہوگا کہ قرآن انسانی زندگی کے مکمل نظام کی کتاب ہے۔تصور کی اس تبدیلی کے بغیر ہم قرآن کو بالکل نہیں سمجھ سکتے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں بار بار فرماتا ہے! کہ قرآن واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔(سورۃ الشعراء آیت ۱۹۵)

2-**تحقیق :** اس لئے قرآن کو سمجھنے کیلئے نزول قرآن کے وقت کی عربی زبان سمجھنا ضروری ہے کیونکہ ایک سو سال بعد اُس دور میں عربی زبان کے مفہوم اور معنی میں بھی تبدیلی واقع ہوگئی اور لغت کی کتابوں میں عام طور پر اس دور کی عربی کے معنی پیش کیے گئے اگر ان کے مطابق قرآن کا ترجمہ کیا جائے تو کلام الٰہی کی حقیقت ہی مسخ ہی ہو کر رہ جائے۔اس بنا پر نزول قرآن کے دور کی عربی زبان کو سمجھنا لازمی ہے جو تمام عربوں میں رائج تھی، چنانچہ امام راغب نے مفردات میں اور ایک دوسرے محقق نے لسان العرب میں اُس دور کی عربی زبان کے معنے تفصیل سے ذکر کر دیئے ہیں اور شاہ عبدالقادر دہلوی اور شاہ رفیع الدین دہلوی نے اس دور کی عربی کے مطابق نہایت تحقیق سے قرآن کا ترجمہ کیا ہے،لہذا یہ دونوں ترجمے علماء ربانی کے نزدیک نہایت ہی معتبر ہیں۔ان ترجموں کے پیش نظر قرآن کے کسی بھی لفظ یا جملہ کا ایسا معنی کرنا غلط ہوگا جس میں منطقی اور فلسفی قسم کی باریک باتیں پیش کی گئی ہوں، اس لئے کہ قرآن عرب کے غیر تعلیم یافتہ بدولوگوں کے سامنے جب پیش کیا جاتا تھا تو وہ فوراً اس کا معنی اور مطلب سمجھ لیتے تھے، لہذا قرآن کا ترجمہ نہائیت سادہ اور عام فہم ہونا ضروری ہے، جس کو ایک ان پڑھ دیہاتی بھی آسانی سے سمجھ سکے۔البتہ قرآن کی باطنی حقیقتیں علیحدہ چیز ہیں، جن کو سمجھنا صرف علماء ربانی کا کام ہے۔

3-**تحقیق :** ہر زبان کی طرح عربی زبان کے الفاظ کے معنے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک حقیقی معنیٰ جس کیلئے لفظ بنایا گیا ہو اور دوسرا مجازی معنیٰ جو حقیقی معنیٰ سے مماثلت رکھتا ہو جیسے لفظ صلوۃ کا حقیقی معنیٰ کسی چیز کے پیچھے چلنا ہے۔اور مجازی معنیٰ دُعا ہے اس لئے کہ انسان جس چیز کیلئے دعا کرتا ہے گویا اس کو حاصل کرنے کیلئے اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں معنے عرف عام میں استعمال ہوتے ہیں جیسے لفظ صلوۃ کے دونوں معنے عرفِ عام میں مستعمل ہوتے ہیں پہلے معنیٰ کا نام حقیقی عرفی ہے۔اور دوسرے کا نام مجازی عرفی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لفظ کا حقیقی معنیٰ متروک ہوجاتا ہے اور صرف مجازی معنیٰ عرف عام میں استعمال ہوتا ہے جیسے لفظ ذَنۡبٌ ، اس کا حقیقی معنی کسی جانور کی دم ہے۔مگر نزول قرآن

کے وقت اس کا یہ معنی متروک ہو چکا تھا اس لئے قرآن میں یہ معنی کہیں بھی مراد نہیں لیا گیا کیونکہ قرآن عرف عام کے مطابق نازل ہوا ہے۔اور اس کا مجازی معنیٰ کسی پر الزام لگانا ہے اگر یہ الزام درست ہو تو اس کو گناہ کہا جاتا ہے اور اگر یہ الزام غلط ہو تو اس کو طعنہ کہا جاتا ہے قرآن کریم میں لفظ ، کے یہ دونوں معنے استعمال ہوئے ہیں اور ان کو مجازی عرفی معنی کہا جاتا ہے اصل میں قرآنی الفاظ کے معنے عام طور پر یہی دو ہوتے ہیں ایک حقیقی عرفی اور دوسرا مجازی عرفی ان کے علاوہ عام لفظوں کا تیسرا کوئی معنی نہیں ہوتا اور جو لوگ لغت دیکھ کر قرآن کے کسی لفظ کا حقیقی متروک معنی مراد لیتے ہیں وہ قرآن میں تحریف کرتے ہیں

4-**تحقیق:** قرآن کلام الٰہی ہے اور ہماری زمینی دنیا کلام الٰہی ہے خدا کے کلام اور کام میں مطابقت کا ہونا لازمی ہے۔ خدا کے کام کی حقیقت اہل علم جانتے ہیں کہ اس روئے زمین میں جس قسم کی رنگا رنگ چیزیں موجود ہیں مثلاً مختلف قسم کی معدنی چیزیں سونا، چاندی، لوہا وغیرہ یا نباتات یعنی مختلف قسم کے درخت اور پودے جو عجیب وغریب پھل اور پھول پیدا کرتے رہتے ہیں یا مختلف قسم کے حیوانات ہاتھی، شیر، اونٹ، گائے، بکریاں وغیرہ یا مختلف قسم کے انسان جن کے رنگ بھی مختلف اور صلاحیتیں بھی مختلف ہیں ان سب چیزوں کے بنیادی عناصر معدود چند ہیں یعنی مٹی ، پانی، آگ، اور ہوا ان کو عناصر کہا جاتا ہے یعنی اشیا مختلفہ کے اصول یہی بنیادی عناصر مختلف ترکیبوں کے ذریعے رنگ برنگ کی چیزوں کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں ایسے ہی کلام الٰہی کا طریقہ بھی یہی ہے قرآن کریم میں چند بنیادی اصول ہیں جن کو ہم اساسی حقیقتوں سے تعبیر کرتے ہیں اور پھر یہی اساسی حقیقتیں جو کلام الٰہی کے عناصر ہیں۔مختلف ترکیبوں کے ذریعہ قسم قسم کے اصول زندگی کی صورت میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور بنیادی عناصر کو بیان کرنے کیلئے قرآن کریم میں اصطلاحی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جب تک ان الفاظ کے اصطلاحی معنوں کو ہم نہ سمجھ لیں۔اس وقت تک قرآن کو سمجھنا ناممکن ہے

5-**تحقیق:** قرآن کے بنیادی عناصر کی ترکیب سے مختلف قسم کے اصولوں کو سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے **سورۃ زُمَر** میں آیت 21 سے آیت 23 تک ایک مثال دے کر پوری طرح وضاحت فرمائی ہے۔ پہلے فرمایا کہ غور کرو کہ ایک ہی قسم کے چار عناصر سے اللہ تعالیٰ کس طرح مختلف قسم کے پودے اور درخت پیدا کر رہا ہے جن سے تمہیں رزق بھی حاصل ہوتا ہے اور پھل بھی اور دوسرے فوائد بھی، مگر ان مختلف قسم کے پودوں اور درختوں کے بنیادی عناصر ایک ہی قسم کے ہیں اُن کی مختلف ترکیبوں سے یہ مختلف رنگوں کے درخت اور پودے پیدا ہو رہے ہیں۔اس کے بعد فرمایا! کہ عقل مند لوگ اللہ کے اس کام سے اس کے کلام کی حقیقت کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔اور یہ عقلمند لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے نور ایمان پیدا کر دیا ہے۔

یہ لوگ کلام الٰہی کی اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں کہ اس کلام الٰہی کے بنیادی عناصر تو وہ مخصوص اساسی حقیقتیں ہیں مگر پھر ان اساسی حقیقتوں کی ترکیب ہوتی ہے دوسرے الفاظ کے ساتھ، جو دلائل یا توضیح یا تاکید کیلئے ملائے جاتے ہیں، تو اس ترکیب سے انسانی زندگی کے اصول پیدا ہوتے رہتے ہیں اور اسی لئے اس مقام میں قرآن کریم کی صفت مثالی فرمائی ہے، یعنی ایسی کتاب جس میں اساسی حقیقتیں بار بار دہرائی جاتی ہیں وہ حقیقتیں نہیں بدلتی، مگر ان سے جو اصول نکالے جاتے ہیں وہ بدلتے رہتے ہیں۔اور یہ نکالنے کا کام بھی اللہ نے خود انجام دیا ہے ہم کو صرف ان اساسی حقیقتوں سے زندگی کے اصولوں کا سمجھنا ہی سپرد کیا گیا ہے۔

6-**تحقیق:** قرآن کے اساسی حقائق جن کو قرآن میں بطور اصطلاح ذکر کیا گیا ہے۔ جو چار اقسام پر مشتمل ہیں۔اس لئے قرآن کو نازل کرنے

والا اللہ رب العزت ہے اوراس میں اسلام کوانسان کیلئے پیش کیا گیا ہے لہذا ان چار چیزوں کا تعارف ضروری ہے۔اوراسی تعارف کیلئے یہ اساسی حقائق پیش کئے جارہے ہیں۔

} اوّل خدا کے تعارف سے متعلق حقائق اساسیہ جواس کتاب کو نازل کرنے والا ہے

} دوسرا قرآن کے تعارف کے متعلق حقائق اساسیہ کواس کتاب میں اور انسانی کتابوں میں کیا فرق ہے اوراس کتاب کے خصوصی اوصاف کیا ہیں؟

} تیسرے اسلام کے تعارف سے متعلق حقائق اساسیہ جن میں اسلام کی خصوصی صفتیں اوراصول اسلام کی خصوصیات کا بیان ہے۔

} چوتھے انسان کے تعارف کے متعلق اساسی حقائق کہ انسان کی حقیقت کیا ہے؟ اوراس کا منصب کیا ہے؟ اوراس کا فرضِ منصبی کیا ہے؟

بس یہی چار قسم کی وہ اساسی حقیقتیں ہیں جن کو سمجھے بغیر قرآن کا سمجھنا ناممکن ہے اور چونکہ یہ حقائق قرآن کے بنیادی عناصر ہیں اوران ہی کی مختلف ترکیبوں سے مختلف دستوری اصول ثابت ہوتے ہیں اس لئے ان حقائق کو قرآن مجید میں بار بار ذکر کیا گیا ہے ایک عام آدمی اس سے سمجھ لیتا ہے کہ قرآن میں تکرار ہے حالانکہ ان میں جو حقیقت بھی بار بار ذکر ہوتی ہے ہر جگہ اس کے ذکر سے ایک نیا اصول ثابت ہوتا ہے اور جب تک ہم ان اساسی حقائق کو سمجھ کر قرآن کے ان دستوری بنیادی اصولوں کو سمجھ نہ لیں، اس وقت تک ہم کسی بھی اصول کے نام کی مناسبت اس اصول سے نہیں سمجھ سکتے یہی وجہ ہے کہ اکثر تفسیروں سے قرآن کی سورتوں کے ناموں کی مضمون سے مناسبت سمجھ نہیں آتی۔

7-**تحقیق :** قرآن کی یہ موجودہ ترتیب وہی ہے جو اللہ کے حکم سے پیغمبرؑ نے متعین فرمائی ہے، یعنی ہر سورۃ کی آیتوں کی ترتیب بھی پیغمبرؑ نے فرمائی ہے

اورسورتوں کی یہ ترتیب بھی خود پیغمبرؑ نے اپنے مخصوص نسخہ قرآن میں لکھوائی اور صحابہؓ کو بھی یاد کروائی۔پھراسی نسخہ کے نئے ایڈیشن حضرت ابوبکرؓ نے لکھوا کر شائع کروائے اور پھر عثمانؓ نے بھی اسی نسخہ پیغمبرؑ کو سامنے رکھ کر قرآنی نسخوں کے ایڈیشن شائع کروائے اور یہی نسخے تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے بلکہ حضرت عثمانؓ کا لکھوایا ہوا نسخہ قرآن آج تاشقند کے عجائب گھر میں موجود ہے وہاں کے مسلمانوں نے اس نسخہ سے عکسی نسخے تیار کر کے دنیا کے مسلم سربراہوں کو دیئے چنانچہ ایک نسخہ ہمارے صدر ایوب (مرحوم) کو دیا گیا۔

جواس وقت اسلام آباد میں سرکاری لائبریری میں موجود ہے اور تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ فی الواقع حضرت عثمانؓ کا لکھوایا ہوا ہی ہے چنانچہ علامہ جارُاللہ موسیٰ نے اس تاریخ قرآن نامی کتاب استنبول سے چھپوا کر شائع کی ہے اوراس کا ایک نسخہ لاہور کی پبلک لائبریری میں موجود ہے اس میں علامہ صاحب نے تاریخ سے ثابت کیا ہے کہ یہ اصل نسخہ ہے یہ علامہ صاحب ۱۹۴۶ء میں انتقال فرما گئے ہیں اس تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآنی سورتوں میں ہماری زندگی کے مختلف شعبوں کے اصول ترتیب وار ذکر ہیں اور جس طرح سورۃ فاتحہ میں بنیادی نظریہ حیات بیان کیا گیا ہے ایسے ہی خاتمہ کی تیرہ سورتوں میں دستور انقلاب ذکر ہے۔اوراسی دستور انقلاب سے ایک نمونہ پیش کررہے ہیں

8-**تحقیق : ھُمَزَہ اور لُمَزَہ کی حقیقت:-**

دستور انقلاب کو حدیثوں میں مفصل کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اوراس کا معنی فیصلہ کُن انقلاب کے اصول ہے اور یہ نام خود حضور اکرم ﷺ نے رکھا ہے البتہ یہ تعیین کہ مفصل آخر کی کتنی سورتیں ہیں؟ یہ پیغمبر ﷺ نے نہیں فرمائی۔(حافظ ابن قیم نے اپنی کتاب مناہج السالکین جلد دوم) میں ان تیرہ کو مفصل قرار دیا ہے یعنی **سورت التکاثر** سے لے کر **سورت والناس** تک۔

اس دستور انقلاب میں سات مضامین بیان ہیں ایک ضرورت انقلاب سورۃ التکاثر میں، دوسرا نفع انقلاب سورۃ العصر میں، تیسرا ہدف انقلاب یعنی ان لوگوں کا بیان جن کے خلاف انقلاب لانا ہے۔سورۃ ھُمَزَہ اور سورۃ فِیل میں، چوتھا تطہیر انقلابی جماعت، سورۃ قُریش اور سورۃ مَاعُون میں، پانچواں انقلابی لائحہ عمل سورۃ کوثر اور سورۃ کافِرُون میں، چھٹا انقلابی نصب العین سورۃ نَصر اور سورۃ اللھب میں، ساتواں منشور انقلاب قُل ھائے ثلاثہ میں یعنی سورۃ الاخلاص،

ہم نے ان سات مضمونوں میں سے تیسرے مضمون کی پہلی سورۃ کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں اصطلاحی الفاظ بہت کم ہیں اور ان کا سمجھنا آسان ہے بہ نسبت باقی سورتوں کے، اور وہ اصطلاحی الفاظ یہ ہیں

ھُمَزَہ اور لُمَزَہ:

پہلا لفظ سورۃ کا نام ہے اور دوسرا سورۃ کے مضمون میں اس کے ساتھ ہی ذکر اور ان دونوں لفظوں میں انسانی تعارف کے متعلق ایک بنیادی حقیقت کا بیان ہے کہ انسانوں کی ایک قسم وہ ہوتی ہے جو ھُمَزَہ اور لُمَزَہ کہلاتی ہے ہمارے عام تفسیروں میں ھُمَزَہ کا معنی غیبت کرنے والا اور لُمَزَہ کا معنی طعنہ دینے والا بیان کیا گیا ہے مگر ان معنوں کو سورۃ کے مضمون سے کوئی مناسبت نہیں، اس لئے کہ سورۃ کے مضمون میں مال دار ظالموں کا کردار اور ان کی سزا کا ذکر ہے تو پھر ان معنوں کو اس مضمون سے کیا نسبت ہے۔گویا عربوں کے عُرف عام میں یہ معنے بھی استعمال ہوتے تھے مگر قرآن کی اصطلاح میں یہ معنے مراد نہیں۔قرآن کے اصطلاحی معنے ہم نے ذیل میں درج کئے ہیں (ھُمَزَہ کا مادہ ہ۔م۔ز ہے) اور اس کا معنی کسی کی پشت پر ایسی ضرب لگانا ہے۔جس سے اسکی پشت ٹیڑھی ہو جائے یعنی کمر توڑ ضرب اور اس کے بعد ہر ایسے ظلم کیلئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے جو ظلم مالیات میں غریبوں کی کمر توڑنے والا ہے اور ایک حرف کا نام بھی ھُمَزَہ ہے اس لئے اس کے تلفظ میں اس قدر زور لگانا پڑتا ہے کہ جس سے انسان کی کمر ٹیڑھی ہو جائے اور جس شخص کی کمر ٹیڑھی ہو اس کو عربی میں مَھْمُوز کہتے ہیں۔

(لُمَزَہ کا مادہ ل۔م۔ز ہے) اور اس کا معنی اشارہ کرنا ہے ایسا اشارہ جس سے مقصود کسی دوسرے شخص کا عیب اس طرح بتانا ہو کہ اس شخص کو پتہ نہ چل سکے۔خواہ یہ اشارہ لفظوں میں ہو کہ یعنی آہستہ سے بات کرنا یا آنکھوں سے ہاتھوں سے اور اس طرح کا اشارہ کرنے والا شخص بڑا چالاک اور ہوشیار ہوا کرتا ہے لہذا ایسے کو عربی میں لامِز کہتے کہا جاتا ہے۔قرآن کریم نے ان دونوں لفظوں کو انہی لفظوں میں استعمال کیا ہے چنانچہ ھُمَزَہ کے متعلق ارشاد فرمایا! (ھَمَّازٍ۔سورۃ قَلَمْ) آیت ۱۱ اور یہاں ظالم مال داروں کا ذکر ہو رہا ہے لہذا ھَمَّاز۔کا معنی یہ ہوگا کہ زبردستی لوگوں کا مال غصب کر کے ان کی کمر توڑ تنگ دستی میں مبتلا کرنے والے اور اسی سے لُمَزَہ بالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی یہ ہوگا کہ طاقت سے محنت کشوں کا حق غصب کر کے ان کی کمر توڑنے والے اور لُمَزَہ کے متعلق فرمایا!

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (سورۃ الحجرات آیت ۱۱)

یعنی نہ فریب کاری کرو تم اپنے آپ سے اور اسی سے لُمَزَہ مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے چالاکی سے فریب کر کے دوسروں کا مال غصب کرنے والا۔تفسیر ابن کثیر میں مجاہد تابعی سے ان کا معنی نقل کیا گیا ہے ھُمَزَہ فعل سے ہوتا ہے اور لُمَزَہ قول سے علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں عبداللہ بن عباس سے ان دونوں لفظوں کا معنی نقل کیا ہے کہ جو اپنے فعل اور قول سے انسانوں میں پھوٹ ڈال کر طبقات پیدا کرنے والے ہوں۔

ترجمہ

سُورَۃُ الْھُمَزَۃ

ترجمہ سُورَۃُ الْھُمَزَۃ

یہ اصول ہے زبردستی محنت کشوں کا مال غصب کر کے ان کی کمر توڑنے والوں کا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پڑھو اللہ کے نام سے کہ وہ بڑا مہربان بھی ہے اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ﴿۱﴾

ہلاکت ہے ہر زبردستی غصب کرنے والے فریب کار کیلئے

الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ﴿۲﴾

یعنی وہ جو مال جمع کرتا ہے اور گن گن کر خوشحالی کیلئے تیار رکھتا ہے۔

یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ﴿۳﴾

اور یہ خیال کرتا ہے کہ بے شک اس کا مال اس کو ہمیشہ ایک ہی حال پر رکھے گا۔

چونکہ لفظ اَلّذِی ، ھُمَزَۃ ، لُمَزَۃ سے بدل ہے جو پہلے لفظ کی تفسیر کرتا ہے
اس لئے ہم نے اس ترکیب کے مطابق یعنی کا لفظ لکھا ہے۔

کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ ﴿۴﴾

ہر گز ایسا نہیں ہے ضرور پھینکا جائے گا یہ شخص کسی ریزہ ریزہ کرنے والی چیز میں

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ ﴿۵﴾

اور تجھے کیا معلوم کہ کیسی ہوگی وہ ریزہ ریزہ کرنے والی چیز۔

نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ ﴿۶﴾

وہ اللہ کی لگائی ہوئی آگ ہوگی

الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ﴿۷﴾

وہ چھا جائے گی اُن مخصوص دلوں پر

إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾

بیشک وہ آگ نازل ہوگی اُن دلوں پر۔

فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

اور بند کی ہوئی ہوگی لمبے لمبے ستونوں میں۔

کلا کا لفظ توبیخ کیلئے آتا ہے اور مخاطبوں کے خیالات کی نفی کی جاتی ہے۔
یہ مخصوص دل کلمہ اَلْ سے سمجھے گئے ہیں اور جس سے مراد ہے مال سے محبت۔

تحقیقاتِ نفطیہ

1-نفط سورۃ باب کے معنے میں ہے مگر ہم نے اس کا معنی اصول لکھا تا کہ یہ معلوم ہو کہ قرآن کی ہر سورۃ میں ایک اصول بیان کیا ہے اور علم نحوی میں سورۃ خبر اور اس کی مبتدا پوشیدہ ہے یعنی ھٰذَا جس کا معنی یہ ہے

2- کلمہ اَلْ کے معنے چار آتے ہیں (اوّل) ہر چیز (دوسرا) سب چیزیں (تیسرا) وہ چیز (چوتھا) کوئی چیز

3-'ب' یہ لفظ جر کہلاتا ہے جو کسی کام کا اپنے مابعد کے ساتھ رابطہ پیدا کرتا ہے اور وہ فعل کبھی اس سے پہلے لفظوں میں ذکر ہوتا ہے اور کبھی پوشیدہ ہوتا ہے جو کسی دلیل سے سمجھا جاتا ہے جیسے يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ میں لفظوں کے اندر مزکور ہے اور بِسْمِ اللہ میں پوشیدہ ہے اور وہ ہے اِقْرَئُوا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ بِسْمِ اللہ پڑھنے کا حکم سورۃ علق کے شروع میں ہے اور اس میں اِقْرَاْ مفرد کا صیغہ ہوگا اس لئے کہ وہاں خطاب صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور باقی قرآن میں انسانوں کو۔

4-وَيْلٌ کا کلمہ بدعا کیلئے قرآن میں آتا ہے اور خدا کی دعا یا بدعا کا مطلب اس کا وعدہ کرنا ہوتا ہے جیسے قُتِلَ الْاِنْسَانُ (سورۃ عبس) یعنی تباہ کیا جائے گا انسان

5-مال کا مادہ (مَ۔یَ۔لَ) ہے جس کا معنی مائل اور راغب کرنا ہے اور عربی عرف میں اس سے مراد مادی جنس جو انسان کو فائدہ پہنچائے مگر قرآن میں یہ اصطلاحی معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی ہر وہ چیز جس کی طرف انسان کا دل مائل ہو خواہ یہ مادی جنس ہو یا عمل جس سے انسان فائدہ پہنچتا ہو۔

6-عَدَّدَ عدد سے ہے جس کا معنی گنتی کرنا ہوتا ہے مگر عربی عرف میں کسی چیز کو گن ضرورت پوری کرنے کیلئے تیار کرنا ہے۔

یہ اصول ہے زبردستی محنت کشوں کا مال غصب کر کے ان کی کمر توڑنے والوں کا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پڑھو اللہ کے نام سے کہ وہ بڑا مہربان بھی ہے اور نہایت مہربانی کرنے والا ہے۔

وَيۡلٌ	لِّكُلِّ	هُمَزَةٍ	لُّمَزَةٍ ﴿۱﴾
ہلاکت ہے	واسطے ہر ایک	زبردستی غصب کرنے والا	فریب سے غصب کرنے والا

الَّذِی	جَمَعَ	مَالًا	وَ	عَدَّدَهٗ ﴿۲﴾
وہ جس نے	اکٹھا کرلیا	مال	اور	گن گن کر رکھا اس کو

يَحۡسَبُ	أَنَّ	مَالَهٗ	أَخۡلَدَهٗ ﴿۳﴾
خیال کرتا ہے	بے شک	مال اس کا	ہمیشہ رہے گا اس کو

كَلَّا	لَيُنۢبَذَنَّ	فِي	الۡحُطَمَةِ ﴿۴﴾
ہرگز	ایسا نہیں ہوگا ضرور پھینکا جائے گا	اس میں	چُور چُور کرنے والی چیز

وَ	مَا	أَدۡرَاكَ	مَا	الۡحُطَمَةُ ﴿۵﴾
اور	کیا	معلوم ہے تجھ کو	کیا ہے	کوئی چُور چُور کرنے والی چیز

نَارُ	اللّٰهِ	الۡمُوقَدَةُ ﴿۶﴾
آگ	اللہ کی	وہ جو جلائی ہوئی ہے

الَّتِي	تَطَّلِعُ	عَلَى	الۡأَفۡئِدَةِ ﴿۷﴾
وہ جو	چھا جائے گی	پر	اُن دلوں

إِنَّهَا	عَلَيۡهِمۡ	مُّؤۡصَدَةٌ ﴿۸﴾
بیشک وہ آگ	اُن پر	بند کی ہوئی ہوگی

فِي	عَمَدٍ	مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾
اس میں	ستونوں	لمبے لمبے

7-اَخۡلَدَ کا مادہ (خ ۔ل ۔ دٗ) ہے جس کا معنی کسی شے کو ہمیشہ ایک حال پر رکھنا ہے۔ ہمیشہ معنی غلط ہے

8-حُطَمَۃُ کا مادہ (ح ۔ط ۔ مُ) ہے جس کا معنی ریزہ ریزہ کرنا ہے اور حطمہ وہ چیز ہے جو جلا کر انسانوں کو راکھ کی طرح ریزہ ریزہ کرنے والی ہو۔

9-تَطَّلِعُ کا مادہ (طَ ۔ل ۔ عُ) ہے اور مصدر طلوع ہے اس کا معنی ہے کسی روشن چیز کا دوسری چیزوں کے سامنے اس طرح ظاہر ہوجانا کہ وہ اُن چیزوں پر چھاجائے اور غلبہ پالے۔ جیسے طلوع آفتاب ہوتا ہو، جس سے سورج کی روشنی سامنے والی سب چیزوں پر چھاجائے۔

10-عَلَيۡهِمۡ میں لفظ عَلٰی سے بنا ہے جو حرف جر ہے اور هِمۡ اس کا مرور اور اس جار۔ مجرور کا فعل مُؤۡصَدَةٌ نہیں ہے۔ بلکہ نَازِلَةٌ پوشیدہ ہے اس لئے کہ آگ دلوں پر بند نہیں کی جاتی بلکہ دلوں پر نازل ہوتی ہے اور اس کو بند کیا جاتا ہے کسی چیز میں، چنانچہ وہ چیز اس جگہ ستون ہیں۔

خلاصہ:

یہ خلاصہ سورۃ کے نام کا ہے چونکہ یہ سورۃ فیصلہ کن دستورِ انقلاب کے اصولوں میں سے تیسرے اُصول کے بیان میں ہے اس لئے پہلے ان سب اصولوں کو سمجھ لینا ضروری ہے چنانچہ سورۃ التکاثر میں انقلاب کی ضرورت پیش کی گئی ہے انقلاب اس لئے ضروری ہے تاکہ لوگوں میں کثرتِ مال کی اجتماعی دوڑ کو ختم کیا جائے پھر سورۃ العصر میں غرضِ انقلاب کا بیان ہے کہ انقلاب کی غرض انسانوں کو دنیاوی اور اُخروی نقصان سے بچانا ہے اور یہ چار قسم کے کرداروں کے ذریعہ ممکن ہے اُس کے بعد سورۃ الھمزہ اور سورۃ فیل میں ان لوگوں کا تعارف کروایا گیا جن کے خلاف انقلاب برپا کرنا ہے اور یہ دو ہی طریقے ہیں، ایک وہ اصحابِ مال جو محنت کشوں کا استحصال کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ اصحابِ اقدار جو ان استحصال غاصبوں کو بچانے والے ہیں۔ پہلی سورۃ میں اصحابِ مال کا تعارف ہے۔ اور دوسری میں اصحاب اقتدار کا۔

پھر سورۃ قریش اور سورۃ ماعون میں انقلابی جماعت کی تطہیر کا بیان ہے چونکہ اسلامی انقلاب مذہبی رنگ لایا جانا تھا اس لئے سورۃ قریش میں دنیا پرست روحانی پیشواؤں سے جماعت کو پاک کرنے کا حکم ہے اور سورۃ ماعون میں علمی پیشواؤں سے جماعت کو پاک رکھنے کا حکم ہے جو مال کے سر چشموں پر قابض ہوں پھر سورۃ کوثر اور سورۃ کافرون میں انقلابی طریقِ کار کا بیان ہے پہلی سورت میں انقلابی جماعت کو بڑھانے کا اصول بیان ہے اور دوسری میں انقلابی جماعت کے تشخص کو قائم رکھنے کیلئے دشمنوں سے قطع تعلق کا اصول بیان ہے اس کے بعد سورۃ نَصۡرُ اور سورۃ لَهَبۡ میں

انقلابی نصب العین کا بیان ہے پہلی سورۃ میں یہ بیان ہے کہ انقلاب کا مقصد ایک اسی حکومت کا قیام ہے جس کے خارجی خطرات سے تحفظ کے اصول بتائے گئے ہیں کہ جن کے بغیر اس کا تحفظ ناممکن ہے اور دوسری سورت میں داخلی خطرات سے تحفظ کا اصول بیان کیا گیا ہے۔اور آخری تین سورتوں میں جن کو کلمہ قُل سے شروع کیا گیا ہے منشورِ انقلاب کو پیش کیا گیا ہے منشور سے مراد انقلاب کے ایسے فوائد کی نشر و اشاعت ہے جن فوائد کو سن کر ہر ملک کے عوام انقلابیوں کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہوں اس لئے سورۃ اخلاص میں سیاسی فوائد کا بیان ہے اور سورۃ فلق میں معاشی فوائد کا اور سورۃ الناس میں معاشرتی فوائد کا۔کیونکہ انسانی زندگی کے سارے کاروبار کا تعلق ان تین شعبوں سے ہوتا ہے یا سیاسی و انتظامی اُمور یا معاشی و مالی اُمور یا معاشرتی وسماجی اُمور سے ہی انسانی کاروبار کا تعلق ہوتا ہے اس لئے منشور انقلاب میں زندگی کے ان تینوں شعبوں کے متعلق ایسے فوائد بتائے گئے ہیں۔جن کو سن کر غیر مسلم عوام بھی انقلابی مسلمانوں سے تعاون کرنے کیلئے تیار ہو جائیں یہ ہے اس دستور انقلاب کے فیصلہ کن اصولوں کا اجمالی تعارف جس میں سے ایک اصول سورۃ ھُمزہ میں بیان کیا گیا ہے کہ انقلاب کے ذریعہ محنت کشوں کی محنت کا پھل غصب کرنے والے لوگوں کا خاتمہ کر دینا ہے

یہ بِسۡمِ اللّٰہ کا خلاصہ ہے کہ رحمٰن رحیم مخصوص اصطلاحی الفاظ ہیں۔ہم نے ان کی تشریح یہاں نہیں لکھی بِسۡمِ اللّٰہ کا مطلب یہ ہے کہ اس اصول کو خدا کے نام سے اپنی ذات کے سامنے بھی اور دنیا کے سامنے بھی پیش کرنا ہے کیونکہ اللہ کے نام سے پڑھو کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کے نام سے پیش کرو اور جو چیز اللہ کے نام سے پیش کرنی ہے وہ وہ اس سورۃ کی عبارت کا مضمون ہے۔علمی طور پر ہم یہ کہیں گے کہ ہر سورۃ میں شروع میں اِقۡرَ وَاْبِسۡمِ اللہ میں اِقۡرَاُوۡ جو امر کا صیغہ ہے جمع ہے جس کا ترجمہ ہے تم پڑھو اللہ کے نام سے تو اس اِقۡرَاُوۡ کا مفعول اس سورۃ کی ساری عبارت ہوتی ہے یعنی پڑھو اور پیش کرو جو اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔دنیا میں ہمیشہ سے حاکموں کا اصول رہا ہے کہ ہر فرمان پر اپنے دستخط کرتے ہیں یا اپنی مہر لگاتے تھے یہ دستخط یا مہر اس بات کا ثبوت ہوتے تھے کہ یہ فرمان حاکم کا ہے کسی دوسرے شخص کا نہیں۔اور عربوں میں صدیوں سے یہ رواج چلا آرہا تھا کہ حاکم کا دستخط یا مہر فرمان کے شروع میں ہوتے تھے حضور اکرمؐ کے دور میں بھی اور خلافت راشدہ کے دور میں بھی یہی رواج رہا ہے

اس کے بعد دوسری قوموں کے رواج کے مطابق یہ دستخط یا مہر فرمان کے آخر میں کئے جانے لگے اور آج تک یہی طریقہ رائج ہے۔تو اس لئے قرآن میں عربوں کے رواج کے مطابق بِسۡمِ اللّٰہ جو خدائی مہر کی طرح ہے ہر سورۃ کی ابتداء میں لکھی گئی ہے اور پڑھی جاتی ہے لہذا بِسۡمِ اللّٰہ ہر اُصول کے خدائی اصول ہونے کا ثبوت ہے

جب سے انسان نے اس دنیا میں تمدن اختیار کیا ہے یعنی جب سے انسان نے ایک دوسرے کے ساتھ مل جُل کر رہنا اختیار کیا ہے اُسی وقت سے نوعِ انسان میں دو طبقے موجود ہیں۔ایک طبقہ اُن چالاک لوگوں کا جنہوں نے دوسرے انسانوں کو اپنا غلام بنا کر یا اپنے ماتحت رکھ کر ان کی محنت کا پھل غصب کر کے خود بغیر محنت کے عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے رہے اور یہ طبقہ تین قسم کے لوگوں پر مشتمل رہا ہے چنانچہ قرآن کریم نے سورۃ قصص میں تین قسم کے لوگوں کا نمونہ اس طرح اس طرح پیش کیا ہے کہ ایک گروہ ان مال داروں کا جو دوسروں کی محنت غصب کر کے عیش وعشرت کرتے ہیں ان کا نمونہ قارون ہے۔اور یہ لوگ جاگیردار بھی ہو سکتے ہیں اور سرمایہ دار بھی یعنی کاروباری غاصب لوگ۔دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو ان غاصبوں کے غصب کئے ہوئے مال میں سے اپنا حصّہ وصول کرتے ہیں ان کا نمونہ فرعون ہے تیسرا گروہ اُن مذہبی پیشواؤں کا ہے جو ان غاصبوں کے ساتھ غصب کئے ہوئے مال میں شریک ہوتے ہیں اور عوام کا یہ ذہن بناتے ہیں کہ تمہارے خالق نے تمہیں آزادی کیلئے پیدا کیا

ہے۔ کہ تم محنت کر کے مال کماؤ اور دوسرے دو طبقوں کا اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ تمہاری کمائی میں سے ایک حصّہ وصول کرتے رہیں۔ ان کا نمونہ ہامان ہے جو فرعون کا وزیر مذہبی اُمور تھا۔ یہ تینوں گروہ مل کر ظالموں کا طبقہ بنتے ہیں۔ اور دوسرا طبقہ ان کے مقابلے میں ہمیشہ محنت کرنے والے مظلوم لوگوں کا رہا ہے اور خدا کے سارے پیغمبرؑ بھی اس طبقہ کی حمایت کیلئے مبعوث ہوتے رہے۔ اور حضور اکرمؐ بھی اس طبقہ کی حمایت کیلئے تشریف لائے تھے لہذا اس طبقہ نے ان ظالم طبقوں کے خلاف انقلاب برپا کرنا ہے۔ اور قرآن نے یہاں صرف دو طبقوں کے خلاف انقلاب کے دو اُصول بیان کئے ہیں کیونکہ مذہبی پیشواء ان لوگوں کے تابعدار ہوتے ہیں ان کے خلاف انقلاب کی ضرورت نہیں چنانچہ سورۃ الھمزہ میں مال غصب کرنے والے طبقہ کا حال بیان کیا ہے خواہ یہ جاگیردار ہوں یا سرمایہ دار اور پھر سورۃ فیل میں ظالم حکومتی طبقہ کا حال بیان کیا ہے فرمایا!

کہ محنت کشو تم مسلمان بن کر انقلاب کیلئے میدان میں نکل آؤ۔ ان غاصبوں کی ہلاکت آفرینی ہے خواہ یہ جبر اور زبردستی کے ذریعہ تمہارا مال غصب کرنے والے ہوں یا حیلہ وفریب سے، اور ان کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ ان میں سے ہر فرد مال جمع کر کے اُن کی عیاشی کیلئے گن گن کر تیار رکھتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ مال و دولت مجھے ہمیشہ اسی عیش وعشرت میں رکھنے کا سبب ہوگا اس کے بعد فرمایا! ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ ان غاصب مالداروں کا ہر فرد ایک چُور چُور کرنے والی چیز میں پھینکا جائے گا۔ اور اے مخاطب تجھے کیا معلوم وہ چُور چُور کرنے والی کیا چیز ہے۔ پھر خود ہی جواب دیا کہ وہ اللہ کی جلائی ہوئی آگ جو کہ نہ صرف ان کے ظاہری جسموں کو جلائے گی بلکہ ان کے اندرونی دلوں کو بھی جلا کر راکھ کر دے گی اور وہ آگ ضرور ان پر نازل ہوکر رہے گی یا ان پر ضرور پھینکی جائے گی۔ اس لئے عَلَيۡهِمۡ کا پوشیدہ فعل بعض مفسروں نے نَازِلَةٌ بتایا ہے اور بعض نے تقذف بتایا ہے جس کا معنیٰ پھینکا جانا ہے (تفسیر بیضاوی) اور وہ آگ ایسی ہوگی جو لمبے لمبے ستونوں میں بند کی ہوئی ہوگی۔

مفسرین نے اس آگ سے مراد جہنم کی آگ لی ہے اور یہ بھی درست ہے مگر صرف جہنم ہی کی آگ کیوں مراد لی جائے بلکہ اس سے مراد عام آگ ہے قیامت میں تو جہنم کی آگ ہوگی۔ اور اس دنیا میں یہ آج موجود ہو چکی ہے۔ یہ ہے ایٹم بموں کی آگ جو ایسے مزائلوں میں بند کر کے ان سرمایہ داروں پر پھینکی جائے گی جو مزائل لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہیں اور جاپان میں جب اس ایٹم کا تجربہ امریکہ نے کیا تھا تو وہاں انسانوں کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ ہر آدمی جس حالت میں تھا راکھ بن چکا تھا۔ اس کی ہڈیاں بھی اور دل و دماغ وغیرہ بھی راکھ بن چکے تھے۔ دیکھنے والوں نے ان کی یہ مثال دی ہے کہ ہے جس طرح سگریٹ کا جلا ہوا گُل سگریٹ میں نظر آتا ہے۔ اور جب ہاتھ لگاؤ تو وہ صرف راکھ ہوتی ہے وہاں بھی انسانوں کی یہی حالت تھی، ایک عورت کو دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے دُور سے جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ زندہ بیٹھی ہوئی ہے اور جب جا کر اس کو ہاتھ لگایا تو اس کا سارا جسم راکھ کا ڈھیر تھا۔ یہی ایٹم اس دُنیا میں حُطَمَةُ ہے اور قیامت میں جہنم ہوگی۔

تَکمِلَہ ھُمَزَہ

ان کا بنیادی اصول ہے کہ انسان دوسرے شخص سے صرف دو کے مال وصول کرتا ہے اول اپنی محنت کا معاوضہ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَ اَنَّ لَّیۡسَ للاانسان الی ۔ ۔ ۔(سورۃ نجم آیت ۳۹)انسان کو وہی ملتا ہے جس کیلیئے کوشش کرتا ہے اور محنت کرتا ہے ۔اس اصول کو قرآن نے سب آسمانی کتابوں کا اصول قرار دیا ہے اور دوسری چیز وہ راسُ المال جو کسی کو دیا ہو تو اس سے واپس لے سکتا ہے اگر اس سے زائد لے گا تو وہ سود ہوگا۔

قرآن کریم میں فرمایا! وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَکُمۡ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔(سورۃ البقرہ آیت ۲۷۹)

یعنی اگر تم سودی نظام سے توبہ کرلو تو تمہارے لئے صرف تمہارے راس المال جائز ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

باقی رہا تجارت کا مسئلہ تو تجارت میں تاجر اپنے راس المال پر منافع وصول نہیں کرتا بلکہ اپنی محنت کا معاوضہ لیتا ہے۔ جو اس نے دن بھر دکان پر بیٹھ کر انجام دی ہوتی ہے اس لئے ہر تاجر ہر چیز کی اتنی ہی قیمت وصول کرنے کا حق دار ہے جس سے اس کی محنت حاصل ہو جائے اور یہ معاوضہ ہر معاملے میں مالی حیثیت سے مختلف ہوتا ہے غریب معاشرے میں کم اور امیر معاشرے میں زیادہ ہوا کرتا ہے جس کا تعین کرنا حکومت کا فرض ہوتا ہے۔

ان دونوں قسموں کی چیزوں کے علاوہ جو شخص بھی کسی دوسرے سے مال وصول کرتا ہے وہ اسلام میں غاصب ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ملک میں ایسا ظالمانہ نظام نافذ ہو جس کے ذریعے قانون کی طاقت سے مالا دست طبقہ محنت کرنے والوں سے مال کا کوئی حصّہ وصول کرتا ہے یہ زبردستی غصب کرنے والا ھُمَزَ ہ ہے جیسے ہمارے موجودہ نظام میں جاگیردار اور بڑے زمیندار کاشکاروں سے بٹائی یا ٹھیکے کی رقم وصول کرتے ہیں حالانکہ ان کا راس المال صرف زمین ہے اور یہ زمین بھی کسی ظالمانہ طریقے سے حاصل کی ہوئی ہوتی ہے ۔تو اس راس المال پر جو کچھ وہ وصول کرتے ہیں۔

یہ سود ہے ایسے ہی مکانات اور دکانیں تعمیر کر کے ان کا کرایہ وصول کرنا بھی یہ سود ہے کیونکہ ان دکانوں اور مکانوں کو تعمیر کرنے والوں کا راس المال صرف عمارت ہے البتہ عمارت کی ٹوٹ پھوٹ ہو تو وہ وصول کر سکتے ہیں ۔اصل میں کرایہ ایسی ہی ٹوٹ پھوٹ کے معاوضے کا کہا جاتا تھا یعنی کسی چیز کے گِھس جانے اور کم ہونے کا معاوضہ ،مگر موجودہ دور کا کرایہ خالصۃً سود ہے۔

اس طرح کارخانہ دار اپنی مصنوعات اور بڑے تاجر اپنا تھوک مال فروخت کر کے اس پر من مانی قیمت وصول کرتے ہیں یہ بھی ھُمَزَ ہ ہیں اس طرح حکومت کا بطور ٹیکس صرف امن امان کا معاوضہ وصول کرنے کا حق ہے مگر موجودہ ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے بھی ھُمَزَ ہ ہیں اور اسی طرح سے کچہریوں میں وکیل وغیرہ جو فیسیں وصول کرتے ہیں یہ بھی ھُمَزَ ہ ہیں یعنی قانون کی طاقت سے زبردستی غصب کرنے والے اور لُمَزَ ہ وہ لوگ ہیں جو موجودہ مروجہ قانون کے تحت کسی فریب کی ذریعے سے مال وصول کرتے ہیں جیسے حکام رشوتیں وصول کرتے ہیں اور ملاوٹ کرنے والے تاجر جھری چیز کی قیمت وصول کرتے ہیں اور ملاوٹی چیز دیتے ہیں یہ بھی لُمَزَ ہ ہیں یا جو تاجر سمگلنگ کرتے ہیں یعنی قانون کے خلاف ملک کی ضروریات پورا کرنے والی چیزیں دوسرے ملکوں کو دیتے ہیں یا دوسرے ملکوں سے ایسی چیزیں ملک میں لاتے ہیں جو ملک میں پیدا ہو رہی ہیں تو یہ لوگ بھی لُمَزَ ہ ہیں اور فریبی ہیں۔

اسی طرح جو لوگ بلیک کرتے ہیں یعنی ضرورت کی چیز کو کھلے بازار میں نہیں بیچتے تو لوگوں کی طلب بڑھ جاتی ہے۔ وہ مجبوراً زیادہ سے زیادہ قیمت دے کر چوری چھپے وہ چیز خریدتے ہیں تو ایسے بلیک کرنے والے بھی لُمَزَہ ہیں اسی طرح جو لوگ ضرورت کی چیز کو بجائے فروخت کرنے کے ذخیرہ کر لیتے ہیں اور جب وہ چیز نایاب ہو کر مہنگی ہو جاتی ہے تو پھر وہ گراں قیمت پر اس چیز کو فروخت کرتے ہیں ایسے لوگ بھی لُمَزَہ ہیں اور فریبی ہیں۔

جن پر خدا کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اسی طرح آڑھت کرنے والے لوگ دونوں طرفوں کو فریب دے کر ان سے کمیشن کے نام پر جو وصول کرتے ہیں یہ بھی لُمَزَہ اور فریبی ہیں

اسی طرح جو ملازم خواہ سرکاری ہوں یا نجی کام چور بن کر کام تھوڑا کریں اور تنخواہ پوری وصول کریں تو یہ بھی لُمَزَہ ہیں۔

اور جو لوگ ٹھیکے دار بن کر کسی شخص کا یا حکومت کا کام ٹھیکے پر لیتے ہیں اور پھر وہ کام ناقص کر کے کام کا معاوضہ مکمل کام دکھا کر وصول کرتے ہیں ۔جیسے آج کل ہو رہا ہے تو یہ بھی لُمَزَہ ہیں

خلاصہ:

یہ ہوا کہ عوام کی محنت سے پیدا کیا ہوا مال خواہ وہ قانون کی طاقت سے زبردستی غصب کریں یا فریب کاری سے غصب کریں ان دونوں صورتوں میں یہ لوگ غاصب اور استحصالی ہیں اور نظام جاگیرداری اور سرمایہ داری کی بنیاد ہی ان دو قسموں کے غصبوں پر ہے۔

اس لئے ان نظاموں میں محنت کرنے والے غریب سے غریب تر ہوتے جاتے ہیں اور استحصالی لوگ امیر سے امیر تر ہوتے جاتے ہیں ۔تو اللہ تعالٰی نے اس اصول میں ان استحصالی لوگوں کیلئے چُور چُور کر دینے والی آگ کا وعدہ کیا ہے اور جب خدا کسی ایسے کام کا وعدہ کر لے جو انسانی اختیار انجام پاتا ہو تو وہاں خدا کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو میرے غلام بن کر میرے اس وعدے کو پورا کرنا چاہئے ۔جیسے صحابہ کرامؓ نے کیا تھا آج بھی مسلمانوں پر فرض ہے کہ موجودہ دور کی ایٹمی طاقت حاصل کر کے دنیا سے استحصالی نظام کا خاتمہ کریں ۔اور جو لوگ یہ کام انجام دیں گے وہی خدا کے محبوب قرار پائیں گے نہ صرف مسلمان کہلانے والے آج مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ یہ مسلمان ہو کر استحصالی نظام کو ختم کرنے کی بجائے اس کے قائم رکھنے پر زور دے رہے ہیں تو ایسے مسلمان خدا کے مغضوب ہیں اور نافرمان اور قرآن کے باغی ہیں ۔قرآن پر چلنے والے وہ لوگ ہیں جو استحصالی نظام کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں خواہ ان کا کوئی نام ہو۔

------تمت بالخیر-----